مولانا سیّد محمّد داؤد غزنوی

سروقد، سرخ و سفید رنگت، خوبصورت سیاہ آنکھیں، جن میں شب زندہ داری کی وجہ سے لال لال ڈورے پڑے ہوئے، متناسب اعضاء، جسم مائل بہ فربہی لیکن آماس کے عیب سے محفوظ، سلیقے اور قرینے کی ڈاڑھی جس میں سیاہی سے سفیدی ہم آغوش، صاف ستھری اُجلی اور بے داغ پوشاک، اچکن زیب تن، شلوار کے پائینچے ٹخنوں سے اوپر اٹھے ہوئے پاؤں میں جرابوں کے ساتھ انگریزی جوتا، سر پر قراقلی کی ٹوپی، آواز میں گھن گرج، چال میں متانت، لہجے میں سوز، یہ تھے برّصغیر کے ممتاز عالم دین اور سیاستدان مولانا سید محمد غزنوی مرحوم، جن کا انتقال آج سے پچیس برس پہلے 16 دسمبر کو ہوا تھا مگر جن کی شخصیت کے تابناک نقوش آج بھی نگاہوں کے سامنے ایسے روشن ہیں جیسے ان کی وفات ابھی کل کی بات ہو۔

حضرت مولانا غزنوی ؒ غزنی کے ایک سادات خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے جدّ امجد مولانا سید عبداللہ غزنوی ؒ، غزنی سے ترکِ وطن کر کے امرتسر میں آباد ہوئے تھے۔ مذہبی اختلافات کی بنیاد پر انہیں پہلی مرتبہ دوست محمد خان امیر کابل نے جلاوطن کیا۔ امیر کے مرنے کے بعد وہ دوبارہ کابل تشریف لے گئے۔ خیال تھا کہ نئی حکومت انصاف سے کام لے گی مگر اب کے پھر آپ کو مستحق تعزیر ٹھہرایا گیا۔ علمائے سوٗ نے سازشیں کیں۔ نئے حکمران کے کان بھرے یہاں تک کہ اس نے آپ کی جلاوطنی کے احکام صادر کر دیئے ابھی اس حکم پر عملدر آمد نہ ہوا تھا کہ حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور شیر علی خان کی جگہ محمد افضل خان نے عنانِ حکومت سنبھال لی مگر مولانا عبداللہ غزنوی ؒ کی آزمائش ختم ہونے کے بجائے اور زیادہ بڑھ گئی انہیں مخالف مولوی کے فتوؤں کی رو سے گرفتار کر کے درے مارے گئے اور سر اور ڈاڑھی

مونڈ کر چہرے پر سیاہی مل کر گدھے پر سوار کرا کے شہر میں پھرایا گیااور پھر جیل خانے میں ڈال دیا گیا یہاں وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ دو سال تک قید رہے۔ دریں اثناء ایک دفعہ پھر حکومت بدلی اور امیر افضل خان نے بعارضۂ وباء وفات پائی اور نئے امیر نے ایک دفعہ پھر آپ کو جلاوطن کر دیا۔ آپ ہندوستان آکر امرتسر میں آباد ہوگئے اور باقی زندگی یہیں تبلیغ دین میں بسر کی۔ مولانا داؤد غزنوی مرحوم کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی انہی حضرت مولانا عبداللہ غزنوی کے فرزند ارجمند تھے۔ انہوں نے بھی اپنے باپ کی طرح اپنے وقت کے محدث جلیل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی سے دورہء حدیث کی تکمیل کی اور امرتسر میں مدرسہ غزنویہ کی بنیاد رکھی۔ جس کی رگوں میں ایسے باپ دادا کا خون دوڑ رہا ہو وہ کیونکر علم و عمل کی تصویر نہ ہوگا۔ مولانا داؤد مرحوم صحیح معنوں میں ان اسلاف کے خلفِ رشید تھے۔

مولانا نے بھرپور سیاسی زندگی گذاری، آزادی وطن کی تحریک میں تقریباً دس سال کا عرصہ قید میں گذارا۔ مجلس احرار اسلام کے بانیوں میں سے تھے۔ اس کے پہلے سیکرٹری آپ ہی منتخب ہوئے، بعد میں کانگریس میں شامل ہوگئے پنجاب شاخ کے صدر منتخب ہوئے۔ "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک میں ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت گرفتار ہوئے اور اختتام جنگ تک محبوس رہے۔ غیر منقسم پنجاب کی صوبائی اسمبلی کے لئے لیبر حلقہ سے انتخاب میں کامیابی حاصل کی۔ مسلم لیگ کے عروج و کمال کا زمانہ تھا۔ سیاسی مستقبل کے لئے رہنمائی حاصل کرنے کی غرض سے استخارہ کیا اور اس کی روشنی میں 1946ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ اپنے مقاصد سے منحرف ہوئی تو انہوں نے حسین شہید سہروردی کی قیادت میں عوامی مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ سیاسی زندگی میں اس جذب و انجذاب کا فائدہ یہ ہوا کہ ان کے نقطہ نظر اور میل جول میں توسیع آگئی۔

وہ مسلکاً اہلحدیث تھے، قیام پاکستان کے بعد ملک میں جماعت اہلحدیث کو تنظیمی شکل بھی انہوں نے دی اس سلسلے میں انہوں نے شبانہ روز محنت کی ملک کے طول و عرض میں دورے کئے۔ امرتسر کے مدرسہ غزنویہ کے طرز پر لاہور میں دارالعلوم تقویۃ الاسلام قائم کیا جو آج تک دینی اور علمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ امرتسر میں تھے تو "توحید" کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کیا تھا جو مسلک اہلحدیث کے مطابق کتاب و سنت کی تعلیمات کا داعی تھا۔ لاہور آئے تو ہفت روزہ "الاعتصام" کا اجراء عمل میں لائے۔ جو جمعیت اہلحدیث کا ترجمان تھا اور اب تک برابر شائع ہو رہا ہے مگر اپنے مسلک کی اس خدمت اور اس میں اس قدر رسوخ و ثبات کے باوجود دوسرے مسالک کے اہل علم سے ان کے تعلقات بے حد خوشگوار تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ (امرتسری) سے تو ان کا تعلق محبت کے درجے تک پہنچا ہوا تھا میں نے ان دونوں بزرگوں کو کئی بار ایک ساتھ دیکھا اور جب بھی دیکھا یہی نظر آیا کہ دونوں ایک دوسرے کے آگے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔

حضرت مولاناؒ احمد علی لاہوری التزاماً نماز عید مولانا داؤد غزنوی مرحوم کے پیچھے منٹو پارک کی عید گاہ میں ادا کرتے۔ مشہور بریلوی عالم مولانا ابوالحسنات قادری خطیب مسجد وزیر خان سے بھی ان کے تعلقات باہمی احترام پر مبنی تھے۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم سے ان کا ملنا کم ہوتا تھا مگر جب بھی ملتے دونوں طرف سے انتہائی خلوص اور تپاک کا مظاہرہ ہوتا۔ حضرت مولانا سے یوں تو سرسری طور پر پہلے ہی سے ملاقات تھی کہ وہ "الاعتصام" کے نگران اعلیٰ تھے اور میں ہفت روزہ "کوثر" لاہور کا مدیر نگران سے قرب اس زمانے میں ہوا جب لاہور میں گیارہ اسلامی اور سیاسی تنظیموں نے مل کر اسلامی محاذ قائم کیا۔ یہ 55ء یا 56ء کی بات ہے۔ محاذ کا مقصدِ وجود جداگانہ انتخاب کے لئے جدوجہد کرنا اور مخلوط انتخابات کے خلاف مہم چلانا تھا مجھے محاذ کا سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا۔ باغ بیرون موچی دروازہ کے تاریخی جلسہ گاہ میں محاذ کے زیر اہتمام متعدد عظیم الشان جلسہ ہائے منعقد ہوئے انہی جلسوں سے خطاب کرنے کی دعوت دینے میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا کئی جلسوں سے انہوں نے خطاب بھی کیا بڑے سنجیدہ اور متوازن انداز میں بولتے اور شخصیت اور آواز کے جادو سے مجمع پر چھا جاتے۔

لاہور کے نواح میں رضا آباد کے نام سے ایک علاقہ ہے۔ بدقسمتی سے وہاں فرقہ وارانہ نوعیت کا ایک ایسا واقعہ ہوا جس سے عوامی جذبات میں بہت اشتعال پیدا ہو گیا۔ علاقے کے کچھ آدمی حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی کے پاس فریاد لے کر پہنچے۔ انہوں نے وفد کو مولانا داؤد غزنویؒ کی خدمت میں بھجوا دیا۔ مولانا نے اپنے گھر پر ایک میٹنگ بلائی۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ مولانا غلام مرشدؒ اور مولانا عبدالستار خان نیازی کے علاوہ مجھ خرد کو بھی یاد فرمایا۔ میٹنگ میں ہونے والا ایک واقعہ اب تک یاد ہے۔ تبادلۂ خیال کے بعد جب قرار دادوں کا مرحلہ آیا تو مولانا نے فرمایا "باتیں ہو چکیں اب ان کی روشنی میں قرار دادیں مرتّب کرنے کا کام نیازی صاحب کر لیں گے" مجلس میں دو نیازی جمع تھے اس لئے کسی نے پوچھا "کون سے نیازی صاحب" میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "ہمارے یہ برخوردار نیازی" طے پایا کہ آئندہ اجلاس حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی مسجد شیرانوالہ میں ہو اور اس میں یہ قرار دادیں بغرض منظوری پیش کی جائیں۔ اس اجلاس میں میں نے قرار دادوں کا مسوّدہ پیش کیا تو مجلس نے ان کی منظوری دی اور "الاعتصام" کے مدیر مولانا محمد اسحاق بھٹی (حال رفیق ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور) کے ذمّے ڈیوٹی سونپی گئی کہ وہ مولانا ابوالحسنات اور بعض دوسرے اکابر سے دستخط کرا کے یہ قرار دادیں پریس کو جاری کر دیں۔ اسی طرح ایک اور اجلاس کی تفصیلات بھی اب تک حافظے میں تازہ ہیں۔

یہ تو مجھے معلوم تھا کہ مولانا انتہائی رقیق القلب آدمی ہیں ایک دو دفعہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا بھی اتفاق ہوا تھا اور قرأت کرتے وقت ان پر گریہ کی کیفیت طاری ہوتے بھی دیکھی تھی لیکن عشقِ رسولؐ کا

اندازہ اس اجلاس میں ہوا۔ لاہور میں ایک سیرت کمیٹی بنی تھی جس میں ہر مکتبِ فکرؒ کے عمائدین شریک تھے۔ تاج کمپنی کے مفتی صاحب اس میں پیش پیش تھے۔ اسی سیرت کمیٹی کا ایک انتظامی اجلاس شاہ عالم مارکیٹ کے ممتاز محل ہوٹل میں ہوا۔ حضرت مولانا داؤد غزنویؒ انہی دنوں حج کر کے لوٹے تھے۔ علامہ علاؤالدین صدیقی مرحوم بھی موجود تھے اور دوسرے شرکائے مجلس بھی، میں نے مولانا سے عرض کیا "حضرت! کچھ مکے اور مدینے کی حاضری کا فرق بھی محسوس کیا" مولانا نے اس کا جو جواب دیا ممکن ہے اہل حدیث حضرات کو اس سے اچنبھا ہو خود میرے لئے مولانا کا یہ ارشاد غیر متوقع تھا آبدیدہ ہو کر فرمایا۔

" اور تو میں کچھ نہیں جانتا لیکن جب سے واپس آیا ہوں نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہوں تو روضۂ اقدس نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے "

زندگی بھر اتباع سنت آپ کا معمول رہا۔ اس لئے وفات بھی عین اس دن اور اس وقت پائی جس دن اور جس وقت حضورؐ دنیا سے تشریف لے گئے۔ 16 دسمبر 63ء کا پیر کا دن تھا اور چاشت کا وقت کہ جاں جان آفریں کے سپرد کی۔ جنازے میں اتنا اژدہام تھا کہ خلقت ٹوٹی پڑ رہی تھی۔ مجھے وہ منظر اب تک یاد ہے جب یونیورسٹی گراؤنڈ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب آف گوجرانوالہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت شیخ الحدیث ہمارے ساتھ بم کیس میں سنٹرل جیل لاہور میں نظر بند رہے تھے اور میں وہاں ان کے درسِ حدیث میں بھی شامل رہ چکا تھا۔ اب ان کا ذکر آیا ہے تو عمر رفتہ کی کتنی ہی گذشتہ یادیں دامن گیر ہو رہی ہیں۔ خدا جانے! وہ پیارے پیارے لوگ کدھر چلے گئے جن کی صحبت میں بیٹھ کر زندگی زندگی لگتی تھی۔ ؎

یہ زندگی زندگی نہ سمجھو کہ زندگی سے مراد ہیں بس
وہ عمرِ رفتہ کی چند گھڑیاں جو ان کی صحبت میں کٹ گئی ہیں

ہاں تو میں مولانا داؤد غزنوی مرحوم کے جنازے کی بات کر رہا تھا۔ شیخ الحدیث نے نمازِ جنازہ پڑھانی شروع کی تو چونکہ اہلحدیث حضرات کے ہاں جنازہ میں قرآت بالجہر (با آواز بلند) ہوتی ہے۔ اس لئے انکی آواز میں رقت کا غلبہ صاف محسوس ہو رہا تھا وہ خود بھی رو رہے تھے اور جنازے میں شامل مقتدی بھی سسکیاں لے رہے تھے۔ اس دن حنفی اور اہلحدیث کا امتیاز مٹ چکا تھا ہزاروں احناف ایک اہلحدیث عالم کے پیچھے نماز جنازہ ادا کر رہے تھے یہ اصل میں مرنے والے کی شخصیت کا تصرف تھا اس کی عمر اسلامی اتحاد کے مشن میں بسر ہوئی۔ اس لئے اس کی موت بھی اسی مظاہرۂ اتحاد کی آئینہ داری کر رہی تھی۔

خیال تھا کہ مولانا مرحوم کے مشن کو ان کے لائق فرزند پروفیسر ابو بکر غزنوی آگے بڑھائیں گے۔ پروفیسر صاحب شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کے بھی رمز آشنا تھے اہلحدیث ہونے کے باوجود پہاڑ

پور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک حنفی بزرگ کے مرید تھے اور لاہور میں علمی اور دینی سرگرمیوں کے علاوہ وہ پابندی سے مجلسِ ذکر بھی برپا کرتے تھے۔ جس میں لاہور کے ممتاز اہل علم وفکر شریک ہوا کرتے تھے۔ آخر میں بہاولپور کی اسلامی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بن گئے تھے۔ یہیں سے میرے ساتھ پاکستان کے ایک وفد میں 76ء میں لندن تشریف لے گئے تھے کہ وہاں سڑک عبور کرتے ہوئے حادثے کا شکار ہوگئے۔ لندن کے ایک مشہور ہسپتال میں وہ زیر علاج رہے۔ میں عیادت کے لئے حاضر ہوا تو انتہائی تکلیف کے باوجود انکی زبان شکر اور حمد کے کلمات سے تر تھی۔ علاج معالجہ میں کوئی کمی اٹھا نہیں رکھی گئی مگر مرضیءمولیٰ کے آگے کس کا بس چلتا ہے؟ افسوس کہ پروفیسر صاحب اس حادثہ سے جانبر نہ ہوسکے اور اس طرح دین و دانش کی خدمت کا وہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ جوان کے نیازمندان کی صاحبِ کمال شخصیت کے ہاتھوں انجام پاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ بقول نظیری نیشاپوری ۔

یکے بگورِ غریبانِ شہر، سیرے کن
ببیں کہ نقشِ اَمل باچہ باطل افتادہ ست

مولانا غزنوی ؒ نے اپنے پیچھے تین یادگاریں چھوڑی ہیں ایک دارالعلوم تقویۃ الاسلام یہ کسی نہ کسی رنگ میں اب بھی قائم ہے اور تشنگانِ علم کی پیاس بجھارہا ہے۔ دوسرے جمعیت اہلحدیث۔ افسوس کہ یہ ان دنوں پھوٹ کا شکار ہے۔ دو متوازی تنظیمیں بن چکی ہیں جس کے قائدین آئے دن ایک دوسرے پر طرح طرح کے الزامات عائد کرنے میں مصروف ہیں کوئی خدا کا بندہ ان کے درمیان تصفیہ کرا کے انہیں پھر سے ایک کردے تو بڑا کام ہوگا اور اس سے حضرت مولانا غزنوی مرحوم کی روح کو بھی تسکین ملے گی۔ تیسرے بیوی بچے افسوس کہ ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ مولانا مرحوم کی کوئی جائیداد نہ تھی حتیٰ کہ اپنا مکان بھی نہیں تھا۔ محکمہ اوقاف کے مکان واقع شیش محل روڈ لاہور ہی میں ان کا دارالعلوم تھا اور یہیں ان کی رہائش بھی تھی۔ اب تک یہی صورتحال ہے وہ برِصغیر پاک و ہند کے عظیم سیاسی رہنما تھے۔ آزادئ وطن کے لئے انہوں نے دس سال قید و بند میں گذارے۔ تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ اسمبلی کے رکن رہے تمام جماعتوں کے قائدین ان سے انتہائی عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔ انہوں نے پاکستان میں جمعیت اہلحدیث قائم کی اور اسے ایک منظم جماعت بنا دیا لیکن اپنی زندگی غربت میں بسر کی نہ کوئی جائیداد بنائی اور نہ مکان تعمیر کیا ہمیشہ متوکل علی اللہ رہے وہ صحیح معنوں میں درویش تھے اور انتہائی قناعت پسند اور اس کے ساتھ بدرجہ غایت وضع دار اور رکھ رکھاؤ کے مالک' یہی وجہ ہے کہ ان کا رُعب دبدبہ اور طنطنہ ہمیشہ قائم رہا گھر پر آنے والوں کی یوں خاطر تواضع کرتے جیسے ان کے ہاں مُن برس رہا ہے۔ وہ یہ احساس لے کر اٹھتے جیسے ایک امیر کبیر کے ہاں ان کا آنا ہوا تھا' وزیر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ علماء

مودّب ہو کر ان کے سامنے بیٹھتے اور بڑے بڑے لیڈر ان کے صائب مشوروں کے محتاج رہتے لوگ ان کے احسان مند تھے وہ کبھی کسی کے زیر بار احسان نہیں ہوئے۔ جو شخص کسی کام کے لئے ان کے پاس آتا وہ نہایت خوشی سے اس کے کام آتے لیکن افسوس کہ ان کی وفات کے بعد ان کے بچوں کا کسی نے خیال نہ کیا اور نہ ان کے سر پر کسی نے دستِ شفقت رکھا یہ ایک بہت بڑا قومی اور جماعتی المیہ ہے مگر کس سے گلہ اور کیسا گلہ زمانہ ہی ایسا آگیا ہے۔ ؎

ریاض اب وہ چہکنے والے بلبل ہیں نہ وہ نغمے
نہ وہ اب رنگِ فریادِ عنادل دیکھنے والے